تیسرا باب

تعلیم کی بنیادیں

(Foundations of Education)

تعلیم ایک جامع لفظ ہے، جس کا وسیع مفہوم ہے۔ تعلیم کے ذریعے جہاں طالب علم کو معلومات اور مہارتیں سکھائی جاتی ہیں اور اسے حقائق سے آگاہ کیا جاتا ہے وہاں اس کی تعلیم وتربیت بھی کی جاتی ہے۔ تعلیم میں وہ تمام معلومات اور تجربات شامل ہیں جو بنی نوع انسان نے آغاز انسانیت سے آج تک تاریخ کے مختلف ادوار میں نسل درنسل منتقل کر کے ہم تک پہنچائے ہیں۔

عمل تعلیم خلا میں سرانجام نہیں پاتا بلکہ یہ انسانی معاشرے اور قومی نظریہ حیات کی روشنی میں تربیت پاکر عمل کے سانچے میں ڈھلتا ہے۔ ہر قوم پہلے اپنا نظریہ حیات طے کرتی ہے پھر اس کے مطابق نئی نسل کے لیے نظام تعلیم متعین کرتی ہے۔ کسی بھی قوم کے طرز فکر، طرز عمل اور اخلاقی اقدار اور روایات کے مجموعہ کو نظریہ حیات کہا جاتا ہے گویا کسی قوم کا زندگی کے بارے میں نقطہ نظر، اس کا قومی نظریہ حیات قرار پاتا ہے۔ عمل تعلیم اور تعلیمی نظام کو قومی نظریہ حیات سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لحاظ سے تعلیم، قومی نظریہ حیات کی نسل نو تک منتقلی کا عمل ہے۔

تعلیم کی چار مندرجہ ذیل اہم بنیادیں (Foundations) ہیں:۔

-1 نظریاتی بنیادیں (Ideological Foundations)

-2 فلسفیانہ بنیادیں (Philosophical Foundations)

-3 نفسیاتی بنیادیں (Psychological Foundations)

-iv سماجی اور معاشی بنیادیں (Sociological & Economical Foundations)

ان چاروں بنیادوں کو زیر بحث لانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ کسی قوم کا نظریہ حیات کیا ہے جس سے ان بنیادوں کے تصورات جنم لیتے ہیں۔

-1 نظریاتی بنیادیں

کوئی بھی نظریہ حیات، زندگی کے بارے میں چند بنیادی سوالات کے جوابات کے نتیجے میں وجود میں آتا ہے مثلاً اس کائنات کا خالق کون ہے؟ کائنات میں انسان کا مقام کیا ہے؟ اس کائنات اور انسان کی تخلیق کا کیا مقصد ہے؟ کیا موت کے بعد دوبارہ زندگی ہے یا موت ہی اس زندگی کا انجام ہے؟ اگر ان کا خالق ہے تو اس خالق کے ساتھ انسان کا رشتہ کیا ہے؟

یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جن کے صحیح جوابات کی روشنی میں نظریہ حیات کا تعین ہوتا ہے اور اس سے افراد معاشرہ کے لیے عمل تعلیم کی بنیادیں طے ہوتی ہیں۔

اسلامی نظریہ حیات

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے لہٰذا اسلامی نظریہ حیات کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ مادی کائنات، اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آئی ہے۔ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور انسان کو جاننے، سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں عطا کیں۔ نیکی اور بدی کی تمیز دی۔ اسے اپنی سوچ، ارادے اور عمل کی آزادی دی۔ اس کائنات میں تصرف کے اختیارات بخشنے کا مقصد آزمائش اور امتحان ہے کہ وہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو مان کر اور نافذ کر کے اس کائنات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ڈھالے۔

اسلامی نظریہ حیات زندگی کو دین اور دنیا کے دو علیحدہ علیحدہ خانوں میں تقسیم نہیں کرتا بلکہ وہ زندگی کو ایک وحدت قرار دے کر پوری زندگی کو اللہ کی اطاعت میں بسر کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ انسان جسم اور روح کا مرکب ہے، جسم اور روح آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ اسلامی تصور کی رو سے، مادیت اور روحانیت کی وحدت سے انسانی شخصیت تشکیل پاتی ہے۔ اسی وحدت سے انسانی زندگی کے تمام شعبوں کی تعمیر و تشکیل ہوتی ہے۔ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، معاشرتی ہوں یا تمدنی، معاشی ہو یا سیاسی۔ اس نظریہ حیات کی رو سے زمین میں خدا کے حکم اور قانون کا نفاذ اور انسانی زندگی کو رضائے الٰہی کے تابع کرنا ہے۔ اسلامی نظریہ حیات، زندگی کے تمام شعبوں کی طرح تعلیم کے شعبے کو بھی اپنے دائرہ کار میں شامل کرتا ہے اور اپنے مخصوص تقاضوں کے مطابق نظام تعلیم کی تشکیل کرتا ہے۔

انسان کا مقصدِ تخلیق اطاعت الٰہی ہے۔ انسان اپنی زندگی میں اللہ کی طرف سے رہنمائی اور تربیت کا محتاج ہے، یہ ہدایت انبیاءؑ کے ذریعے انسانوں کو عطا ہوئی ہے۔ یہ ہدایت قرآن مجید اور سنت رسولؐ کی صورت میں موجود ہے۔ انسان ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ ہے اور قیامت کے روز یہ جوابدہی لازمی ہے۔

اسلامی تعلیم کا تصور

اسلامی نقطۂ نگاہ سے تعلیم انسان کی سیرت کی تعمیر و تشکیل اس انداز سے کرتی ہے کہ وہ خلافت الٰہی کے منصب پر فائز ہو سکے۔ ایک طرف وہ اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہو کر انہیں سرانجام دے سکے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکے، گویا اسلامی تعلیم، خلیفۃ اللہ فی الارض کا شعور پیدا کرنے اور اس کے لیے تیاری کا نام ہے۔ اسلامی تصور تعلیم، عام تعلیم سے اسی لحاظ سے مختلف ہے کہ عام تعلیم انسان کو معاشرے کے ایک شہری کی حیثیت سے تیار کرتی ہے جب کہ اسلامی تعلیم اسے ایک مسلمان شہری کی حیثیت سے تیار کرتی ہے۔

اسلامی تعلیم انسان کے بنیادی تصورات و اعتقادات کو اسلامی احکامات کی روشنی میں درست کرتی ہے۔ اس کی سیرت و کردار کو اسلامی نقطۂ نظر سے سنوارتی ہے، اس کا تزکیہ نفس کرتی ہے اور خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں، بحیثیت مسلمان بسر کرنے کے قابل بناتی ہے، تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کر کے جنت کا مستحق قرار پائے۔

اسلامی تعلیم انسان کو خدا شناس، خود شناس اور کائنات شناس بناتی ہے۔ معرفت الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور اس کے احکام کو جاننا اور پہچاننا، اسلامی تعلیم کی اہم بنیاد ہے۔ اسی طرح انسان کے ذہن میں اللہ کی بندگی کا تصور راسخ کرنا اور کائنات کے حقائق کو سمجھ کر، اس کائنات اور اس میں موجود قوتوں پر اللہ کی رضا کے مطابق حکمرانی کی صلاحیت پیدا کرنا، اسلامی تعلیم کا مقصود ہے۔ اسلامی تعلیم کا مرکز و محور معرفت الٰہی، اطاعتِ الٰہی اور رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

اسلامی تعلیم ہدایت الٰہی کی روشنی میں، انسان کی روحانی، ذہنی، جذباتی، جسمانی، معاشی اور معاشرتی صلاحیتوں کو جلا بخش کر، اس کی شخصیت کی جامع اور متوازن نشوونما کرتی ہے۔

تعلیم کی اسلامی بنیادیں

تعلیم کی اسلامی بنیادوں میں مندرجہ ذیل نکات نہایت اہم ہیں:۔

1- اسلامی نقطۂ نظر سے حقیقت اصلیہ (Ultimate Reality) اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ علم کا حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے۔ سب سے اعلیٰ اور قطعی ذریعہ علم وحی الٰہی ہے جو حقیقی سرچشمہ علم اور حقیقت مطلقہ تک رسائی میں مدد دیتا ہے۔

2- اسلامی تعلیم کا اساسی نکتہ یہ ہے کہ یہ کائنات خود بخود پیدا نہیں ہوئی بلکہ کائنات کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے منصوبے، ارادے اور علم کی بنیاد پر ہے۔ انسان کا مقام خلیفہ اور نائب کا ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد بندگی رب ہے اور اپنے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جوبداہ ہے۔

3- سب سے اعلیٰ قدر رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ تعلیم کی اسلامی تشکیل وتنقید میں اصل نقطۂ نظر ہی یہ ہے کہ انسان اللہ کا اطاعت شعار بن جائے۔

4- اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے، اسلام زندگی کو دین و دنیا کے دو حصوں میں تقسیم نہیں کرتا بلکہ وہ انسان کو ایک کل کی حیثیت سے ایک جامع زندگی کے لیے تیار کرتا ہے گویا مادہ وروح کی الگ الگ حیثیت کی بجائے دین ودنیا کی وحدت کا قائل ہے۔

5- اسلام کی اساس وہ بنیادی تصورات اور عقائد ہیں۔ جس سے اسلامی نظریہ حیات تشکیل پاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اخلاقی، معاشرتی اور معاشی تجربات بھی ضروری ہیں۔

6- اسلامی تعلیم کے چار بنیادی عناصر تلاوتِ آیات، تزکیۂ نفس، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت ہیں۔

7- تعلیمی مقاصد، نصاب تعلیم، حکمتِ تدریس اور سارے عمل تعلیم کا فکری سرچشمہ قرآن حکیم اور سنتِ رسولؐ ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں عملِ تعلیم کو بروئے کار لایا جائے گا۔ اسلامی تعلیم کی تیار کردہ شخصیت دینی ودینوی علوم کی حامل ہوگی اور وہی اسلامی ریاست میں قیادت کا فریضہ سرانجام دے گی۔

8- دین کی سربلندی، ملک اور ملت اسلامیہ کا تحفظ اور دعوتِ دین اسلامی تعلیم کی روح ہے۔

9- اسلامی تعلیم، معاشرے کے تمام افراد کے لیے یکساں مواقع فراہم کرنے کا تقاضا کرتی ہے تاکہ تمام لوگ اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق تعلیم وتربیت پاسکیں۔

10- اسلامی تعلیم کی اہم فکری اساس، آخرت کی فلاح کا حصول ہے۔

اسلام میں تعلیم کی اہمیت

اسلام دین فطرت ہے، یہ واحد دین ہے جس نے تعلیم پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ بنیادی طور پر اسلام، تعلیم وتربیت کا

Get2 Side A 12/16/2007 AlmeaTaleem Education 11

ایک نظام ہے۔ جس کی عمارت کی پہلی اینٹ لفظ ''اقراء'' سے اٹھائی گئی جس کے معنی ''پڑھنا'' ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا آغاز اسی لفظ سے ہوا اور پہلی وحی میں تعلیم سے متعلق الفاظ کی پانچ مرتبہ تکرار سے تعلیم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اسلام میں تعلیم کی اہمیت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ تخلیق آدمؑ کے وقت فرشتوں کا اللہ تعالیٰ سے جو معاملہ ہوا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر آدمؑ کی فضیلت کے لیے ان کی تعلیم کی صلاحیت کا ذکر فرمایا، جو فرشتوں کو حاصل نہیں ہے۔ قرآن مجید میں علم اور تعلیم کے حوالے سے بے شمار آیات اور الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

1- ترجمہ: ''تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جنھیں علم بخشا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرماتا ہے۔'' (المجادلہ:11)

اسی طرح فرمایا:

2- ترجمہ: ''اللہ نے خود شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور یہی شہادت فرشتوں اور سب اہل علم نے دی ہے۔'' (آل عمران: 18)

علم و علما کی فضیلت و شرف کی نشاندہی قرآن مجید کی ان آیات سے ہوتی ہے۔ فرمایا۔

3- ترجمہ: ''اے پیغمبر! ان سے پوچھیے کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے کہیں برابر ہو سکتے ہیں۔'' (الزمر: 9)

حضور نبی کریم ﷺ کو یہ دُعا سکھائی گئی۔

''رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً'' (طٰہٰ: 114)

4- ترجمہ: ''اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔''

ان آیات کریمہ کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اسلام میں پڑھنا اور پڑھانا روزِ اوّل سے خصوصی اہمیت کا حامل رہا ہے۔

حصولِ علم اور اشاعتِ علم اسلام کا بنیادی تقاضا ہے۔ اسلام میں عملِ تعلیم کی عظمت کا اندازہ اس ارشاد نبوی ﷺ سے لگایا جاسکتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔

1- ''معلم بن جاؤ یا متعلم اور تیسری حالت اختیار نہ کرو۔'' (مشکوٰۃ المصابیح)

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کے منصب رسالت کے تذکرہ میں واضح طور پر تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وظائف میں شمار فرمایا۔

حضور اکرمؐ نے اپنے لیے جس حیثیت کا اظہار فرمایا وہ یہ تھی:

2- ''مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

حضور نبی کریم ﷺ نے قرآنِ حکیم کی تعلیم و تدریس کی اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

3- ''تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرے اور پھر اس کی تعلیم دے۔'' (ابن ماجہ)

4- آپؐ کے ارشادات میں طالب علم اور معلم دونوں کے لیے بڑی بشارتیں ہیں مثلاً یہ کہ ''طالب علم کے استقبال کے لیے فرشتے

اپنے پر بچھاتے ہیں اور معلم کے لیے کائنات کی ہر شے دعائے خیر کرتی ہے۔" (مشکوٰۃ المصابیح)

5- "جو آدمی علم کی تلاش میں نکلتا ہے۔ وہ فی سبیل اللہ جہاد میں ہوتا ہے۔ جب تک وہ واپس نہ آئے۔" (مشکوٰۃ المصابیح)

6- "اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، تمام آسمانی مخلوق حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں سمندر میں انسانیت کے معلمین کے لیے دعا کرتے ہیں۔"

7- "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔" (المعجم الاوسط)

ان آیات کریمہ اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم، تعلیم اور معلم کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے۔

ذرائع علم (Sources of Knowledge)

تعلیم کے عمل میں، بنیادی طور پر انسانی زندگی میں حاصل شدہ مشاہدات و تجربات نئی نسل تک پہنچائے جاتے ہیں۔ یہ تجربات و مشاہدات علم کی صورت میں مرتب ہوتے ہیں۔ علم سے مراد کسی بھی شے کا جاننا، پہچاننا، سمجھانا یا اس کے متعلق معلومات حاصل کرنا ہے۔ ان اشیاء میں مادی اشیاء بھی شامل ہیں اور غیر مادی اشیاء بھی، جن کا تعلق اس دنیا کی زندگی کی بجائے آخرت کی زندگی سے ہے جو انسان کی نظروں سے اوجھل ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ علم اگر معتبر یعنی قابل اعتبار ہو اور اس علم سے کسی چیز کی اصل حقیقت معلوم ہو جائے تو یہ علم انسان کی زندگی کے لیے مفید اور کارآمد ہے۔ لیکن اگر مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والا علم، شک اور قیاس پر مبنی ہو، تو ایسا علم، انسان کو حقیقت سے آگاہ کرنے کی بجائے اسے گمراہ کر سکتا ہے۔ اس لحاظ سے علم کے ذرائع کی بڑی اہمیت ہے۔

انسان نے آج تک جو علم حاصل کیا ہے، مندرجہ ذیل پانچ ذریعوں سے حاصل کیا ہے۔

i- حواس خمسہ (Five Senses)   ii- عقل (Intellect)

iii- وجدان (Intuition)   iv- اسناد و روایات (Authority & Traditions)

v- وحی (Revelation)

i- حواس خمسہ (Five Senses)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کے حصول کے لیے پانچ حواس عطا فرمائے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ دیکھنے کی حس (Sense of sight)   ب۔ سننے کی حس (Sense of hearing)

ج۔ سونگھنے کی حس (Sense of smelling)   د۔ چھونے کی حس (Sense of touch)

ر۔ چکھنے کی حس (Sense of taste)

انسان ان پانچ حواس کی مدد سے مادی اشیا کا علم حاصل کرتا رہا ہے اور ہمارے ذخیرہ علم کا بہت بڑا حصہ ان پانچ قوتوں کی مدد سے حاصل شدہ علم ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم، مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہوتا ہے جبکہ مشاہدہ اور تجربہ ان پانچ حواس سے کیا جا سکتا ہے۔

اسلام بھی اس ذریعہ علم سے فائدہ اٹھانے پرزور دیتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں جابجا اس زمین پر چل پھر کر دیکھنے اور کائنات کا مشاہدہ کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ البتہ اسلام یہ بات بھی واضح کرتا ہے کہ حواس کی مدد سے صرف مادی کائنات (Material Universe) کا علم حاصل ہوسکتا ہے۔ مادی کائنات کے علاوہ اور اس سے پرے کی دنیا کے متعلق حواس کی مدد سے علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ نیز تجربہ ومشاہدہ کی بنا پر حاصل شدہ علم یقینی نہیں ہے۔ نئے حالات اور آلات کی مدد سے تجرباتی ومشاہداتی علم میں تبدیلی آتی رہی ہے اور آئندہ بھی اس کا امکان رہتا ہے۔ تاہم اس ذریعہ علم کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ii- عقل (Intellect)

علم کے حصول کا دوسرا ذریعہ انسانی عقل ہے۔ انسان حواسِ خمسہ کی مدد سے جو معلومات حاصل کرتا ہے عقل کے ذریعے ان معلومات کا تجزیہ اور تعبیر کی جاتی ہے۔ تجربہ ومشاہدہ سے حاصل شدہ معلومات کو ترتیب دے کر ان پر غور وفکر کرنا اور ان سے نتائج اخذ کرنا عقل کا کام ہے۔

عقل نہ ہو تو یہ معلومات بے کار ہیں انسانی تاریخ میں عقلی علوم کو اہم مقام حاصل رہا ہے۔ البتہ عقلی علوم کے نتائج بھی قطعی اور یقینی نہیں ہوتے بلکہ امکانی ہوتے ہیں۔ یہ نتائج درست بھی ہوسکتے ہیں اور غلط بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل کو مہیا کی جانے والی معلومات حواس خمسہ کی مدد سے حاصل ہوتی ہیں جو ناقص بھی ہوسکتی ہیں اس کے علاوہ خود عقل بھی ٹھوکر کھا سکتی ہے اور فراہم کردہ معلومات سے غلط نتیجہ اخذ کرسکتی ہے۔ اس طرح بہت سی ایسی موجودات ہیں جو عقل کے دائرے میں نہیں آسکتیں مثلاً خدا، فرشتے، جنت اور دوزخ وغیرہ محض عقل سے سمجھنا ممکن نہیں۔ تاہم عقل کی نارسائی کے باوجود، یہ ایک مفید ذریعہ علم ہے۔ اگر تعصبات سے بالاتر ہو کر درست حقائق پر غور وفکر کے لیے عقل کو مناسب طریقے سے استعمال کیا جائے تو صحیح نتائج تک پہنچنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ چنانچہ اسلام نے اس ذریعہ علم کو مفید قرار دیا ہے اور قرآن حکیم میں بار بار کائنات اور مظاہر کائنات کے بارے میں غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے۔

iii- وجدان (Intuition)

اگر کسی مسئلے کا حل بغیر کسی غور وفکر، سوچ بچار اور کوشش کے، اچانک انسان کے ذہن میں آجائے تو اس طرح ہونے والے علم کا ذریعہ وجدان کہلاتا ہے۔ بعض اوقات انسان کئی سالوں تک مسئلے کا حل معلوم نہیں کر پاتا مگر اچانک اس کے دل میں ایک روشنی (Flash of Light) نمودار ہوتی ہے اور اسے مسئلہ کا حل معلوم ہوجاتا ہے۔ وجدان، انسانی دل پر القا ہونے والا علم ہے۔ سائنس کی بے شمار ایجادات اور نظریات اسی ذریعہ علم کا کرشمہ ہیں۔ اس کی نمایاں مثالیں اُصولِ ارشمیدس، نیوٹن کا کششِ ثقل کا قانون اور آئن سٹائن کے نظریہ اضافت کی دریافت ہے۔

اگرچہ یہ ذریعہ علم مفید ہے اور انسانی تاریخ میں علم کے حصول میں مددگار ثابت ہوا ہے۔ مگر اس ذریعہ علم کے نتیجے میں امکانی علم حاصل ہوتا ہے جو صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی۔ اس لیے کہ وجدان کا فہم اور تعبیر بھی ایک مسئلہ ہے۔ وجدانی علم صرف اس صورت میں قابل قبول ہوسکتا ہے جب تجربہ ومشاہدہ، عقل سلیم اور وحی الٰہی سے اس کی تصدیق ہوجائے وجدانی علم ایک وہم ہے جو غلط بھی ہوسکتا ہے اور درست بھی۔

iv- اسنادوروایات (Authority & Traditions)

علم کے حصول کا ایک ذریعہ آباؤاجداد کی طرف سے سینہ بہ سینہ یا کتب کی شکل میں وہ روایات ہیں جو ایک نسل سے دوسری نسل

تک منتقل ہوتی رہی ہیں۔ اسی طرح مختلف شعبہ ہائے علوم کے ماہرین کی آراء بطور سند پیش کی جاتی ہیں اور عوام ان روایات و اسناد کو علم کے ذریعے کے طور پر تسلیم کر لیتے ہیں۔ ان روایات میں سے بعض عقل سلیم کے لیے قابل قبول ہوتی ہیں اور بعض عجیب و غریب، بہر حال اسنادی علم میں صحت اور غلطی دونوں کا امکان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس ذریعہ علم کو بالکل رد تو نہیں کیا لیکن محض آباؤ اجداد کی روایات کی سند پر کسی تصور یا عمل کی صحت پر اصرار کو درست قرار نہیں دیا۔ ایسی روایات اگر عقل سلیم اور ہدایتِ الٰہی کے معیار پر پوری اتریں تو انہیں قبول کیا جائے گا ورنہ انھیں مسترد کر دیا جائے گا۔

-v وحی (Revelation)

علم کے حصول کا سب سے معتبر اور یقینی ذریعہ وحی ہے۔ اللہ تعالیٰ حقیقی علم کا سرچشمہ ہے۔ اس کا علم ہر کسی قسم کی خطا سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ذاتی علم میں سے ایسا علم جو انسانی ہدایت اور راہنمائی کے لیے درکار ہے، اپنے بندوں یعنی انبیاء علیہم السلام کو خصوصی ذریعے سے پہنچاتا ہے۔ یہ علم آسمانی کتابوں کی صورت میں یا صحیفوں کی شکل میں موجود رہا ہے۔ تمام آسمانی کتابیں برحق ہیں۔ البتہ ان میں صرف ایک کتاب محفوظ ہے جو مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کی شکل میں موجود ہے۔ باقی تمام کتابیں اپنے اپنے زمانے میں تو محفوظ رہی ہیں مگر آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بعد ان کی ضرورت نہیں رہی۔ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

"بے شک اس ذکر (قرآن مجید) کو ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں۔" (الحجر:9)

قرآن مجید میں انسان کی ہدایت کے لیے تمام اصول، حقائق اور احکام موجود ہیں اور قیامت تک کے انسانوں کے لیے یہی ہدایت کا واحد سرچشمہ ہے۔ اس کی تعلیمات میں ذرہ بھر شک کی گنجائش نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "یہی وہ کتاب ہے، جس میں کوئی شک نہیں۔" (البقرہ:2)

اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علم کے مختلف ذرائع ہیں اور ان تمام ذرائع سے کسی نہ کسی حد تک استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے صرف ایک ذریعۂ علم یعنی وحی کی صحت قطعی اور حتمی ہے۔ باقی تمام ذرائع سے حاصل ہونے والا علم امکانی ہے، وہ غلط بھی ہو سکتا ہے اور درست بھی۔ حتمیت اور قطعیت صرف وحی کو حاصل ہے۔

البتہ اسلام، دیگر ذرائع علم میں سے کسی بھی ذریعہ علم کو مکمل طور پر رد نہیں کرتا بلکہ وہ انھیں وحی کے تابع قرار دیتا ہے۔ ان تمام ذرائع سے حاصل کردہ علم کو وحی پر جانچا اور پرکھا جائے گا۔ اگر وہ وحی کے مطابق ہوگا تو اسے قبول کیا جائے گا اور قابل اعتبار ہوگا لیکن اگر وحی کے مخالف یا متصادم ہوگا تو اسے مسترد کر دیا جائے گا۔

-2 تعلیم کی فلسفیانہ بنیادیں

فلسفہ تعلیم کی انتہائی اہم بنیاد ہے۔ فلسفہ کے بغیر انسانی زندگی کا سمجھنا ناممکن ہے۔ فلسفہ، زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق تصورات اور فکری بنیادیں مہیا کرتا ہے۔ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ تعلیم معاشرے کے فلسفۂ حیات کے تابع ہوتی ہے۔ کسی بھی نظام تعلیم کی فکری بنیاد فلسفہ ہی سے حاصل ہوتی ہے اور اسی بنیاد پر نظام تعلیم کے تمام عناصر مثلاً مقاصد تعلیم، تدوین نصاب، حکمت تدریس، انتظام و انصرام تعلیم استوار ہوتے ہیں۔ خاص طور پر مقاصد تعلیم کا تعین، کسی قوم کے نظریۂ حیات سے ہوتا ہے جب کہ نظریۂ حیات،

ان فلسفیانہ افکار سے ماخوذ ہوتا ہے جو کسی قوم نے حقیقت اور سچائی کی حیثیت سے درست تسلیم کر رکھے ہوں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ تعلیم کی بنیادوں میں فلسفہ کی تعلیمی اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔ اس کے لیے فلسفہ کا مفہوم اور اس کا دائرہ کار بیان کرنا ضروری ہے۔

فلسفہ کا مفہوم

فلسفہ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی ہیں۔ حبِّ دانش (Love for Wisdom)۔

حقیقت اور صداقت تک رسائی کی جدوجہد اور کوشش جو انسانی عقل کی بنیاد پر کی جائے، فلسفہ کہلاتی ہے۔

انسان فطرتاً تجسس پسند ہے کائنات کی تخلیق اور اس میں پائی جانے والی اشیاء کی اصل حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہے۔ ان حقائق کو سمجھنے کے لیے انسان، غوروفکر اور عقلی استدلال سے کام لیتا ہے گویا انسانی عقل کی بنیاد پر، غوروفکر اور منطقی استدلال کے ذریعے حقیقت اور سچائی کی تلاش کے لیے انتہائی کوشش کا نام فلسفہ ہے۔

فلسفیانہ حقائق کی تلاش کے لیے فلسفیانہ طریق کار اختیار کیا جاتا ہے، جو عام طریق تحقیق سے مختلف ہے۔ فلسفیانہ طریق کار میں دو باتیں ذہن نشین رہنی چاہییں۔

اول یہ کہ فلسفہ کا طریق مطالعہ، انسانی عقلی غوروفکر پر مشتمل ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ فلسفہ کا موضوع مطالعہ صرف ظاہری حقائق یا جزوی نہیں ہوتا بلکہ یہ مطالعہ انتہائی، کلی اور حقیقت اصلیہ (Ultimate Reality) تک پہنچتا ہوتا ہے۔

حقیقت اصلیہ تک رسائی کی کوشش، فلسفہ کا اصل موضوع ہے۔ حقیقت اصلیہ سے مراد ایسا وجود ہے جو بذاتِ خود قائم ہو۔ وہ اپنے وجود کے لیے کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو اور باقی تمام موجودات اپنے وجود (Existance) کے لیے اس کے محتاج ہوں۔

مثال کے طور پر اسلامی نقطہ نظر سے حقیقت اصلیہ، اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ خود کسی کا محتاج نہیں ہے لیکن باقی تمام مخلوقات، انسان اور پوری کائنات اپنے وجود کے لیے اللہ کے محتاج ہیں۔ وہ جب تک چاہے گا، انسان اور کائنات کا وجود رہے گا اور جب اللہ کا حکم ہوگا تو یہ دونوں فنا ہو جائیں گے۔

اس مثال میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہم حقیقت اصلیہ کہیں گے جب کہ انسان اور کائنات حقیقت ظاہریہ ہیں یعنی ان کے وجود سے انکار تو نہیں لیکن ان کا وجود اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم ہے۔ اس طرح فلسفہ حقیقت ظاہریہ اور حقیقت اصلیہ تک پہنچنے اور اشیاء کی حقیقت کا فہم حاصل کرنے کی کوشش ہے۔ اس کوشش میں عقلی استدلال اور تفکر و تدبر ضروری ہے۔

فلسفہ کا دائرہ عمل

فلسفہ کے مفہوم سے اس کے دائرہ عمل کی وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آج کے سائنسی دور میں سائنسی ایجادات نے انسانی زندگی کا چال چلن بدل کر رکھ دیا ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ سائنسی علوم کا دائرہ کار طبعی اور مادی دنیا تک محدود ہے۔ سائنس حقیقت اصلیہ کے ادراک سے عاجز ہے۔ فلسفہ اور مذہب اس مادی کائنات سے آگے بڑھ کر عالم حقیقی کا ادراک حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہ دونوں صرف کائنات ہی نہیں بلکہ خالق کائنات کی پہچان اور معرفت کو اپنا نصب العین قرار دیتے ہیں۔

دوسرے تمام علوم، اشیا کی حقیقت کے مختلف اجزا کو علیحدہ علیحدہ جاننے تک محدود ہیں اور وہ اشیا کے ظاہری روپ کو سمجھتے ہیں

اور اس کے استعمال پر اپنی توجہ مرکوز کرتے ہیں جب کہ فلسفہ حقیقت کی مجموعی حیثیت کو اور اپنے اصلی روپ میں جاننا اور سمجھنا چاہتا ہے۔

فلسفہ کا یہ موضوع تصورِ حقیقت (Ontology) کہلاتا ہے جس میں انسان، کائنات، خالق کائنات اور ان تینوں کے باہمی تعلق کی حقیقت واضح کی جاتی ہے۔ ان تینوں تصورات کو صحیح طور پر جاننے اور سمجھنے سے انسانی زندگی کا تصور واضح ہوتا ہے۔

فلسفے کا دوسرا موضوع تصورِ اقدار (Axiology) ہے، یہ انسانی زندگی کا ایک ایسا میدان ہے جسے ہم قدریات کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ انسانی زندگی کے لیے اور خود انسان کی تسکین کے لیے انسانی اخلاقیات و اقدار سے زندگی کی مقصدیت واضح ہوتی ہے۔ اقدارِ حیات کے تعین میں فلسفہ ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کے لیے خیر کیا ہے اور شر کیا ہے؟ کیا چیز جائز ہے؟ اور کیا ناجائز؟ اچھائی کیا ہے؟ اور برائی کیا؟

ان سوالات کا دائرہ، اشیا کے استعمال سے لے کر انسانی رویوں، جذبات اور روابط تک وسیع ہے اور اپنی روزمرہ زندگی میں ہر انسان کو مسلسل، ان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان تمام سوالات کا جواب فلسفہ مہیا کرتا ہے گویا معیارِ خیر و شر اس موضوع کے تحت زیرِ بحث آتا ہے۔

فلسفہ کا تیسرا موضوع تصورِ علم (Epistemology) ہے۔ اسے علمیات بھی کہا جا سکتا ہے۔ معاملہ حقیقت اصلیہ کے ادراک کا ہو یا وجودیات کا، قدریات کا ہو یا اخلاقیات کا، فوری طور پر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی وجود کے برحق ہونے یا کسی قدر کے مطلوب یا غیر مطلوب ہونے کا ہمارے پاس آخر معیار کیا ہے؟ اس علمی معیار کا تعلق فلسفہ کے مطالعہ سے ہے۔ فلسفہ کا یہ پہلو علم کی حقیقت واضح کرتا ہے۔ فلسفہ ہی ہمیں بتاتا ہے کہ علم کا سرچشمہ کیا ہے؟ علم کے ذرائع کون کون سے ہیں؟ اور ان مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والا علم کس حد تک قابلِ اعتماد ہے؟

یہ فلسفہ کی اہم ترین بنیاد ہے۔ ہر قوم اپنے فلسفہ حیات کے مطابق اپنا نظریۂ حیات اپناتی ہے اور معاشرے میں اس نظریۂ حیات کے مطابق زندگی کے مختلف شعبوں کی تشکیل عمل میں لاتی ہے۔

فلسفہ اور مذہب کا تعلق

فلسفہ اور مذہب کے موضوعات ایک ہیں۔ فلسفہ بھی حقیقت کی تلاش اور صداقت تک رسائی کی کوشش کرتا ہے جب کہ مذہب بھی انہی موضوعات کو زیرِ بحث لا کر انسانی زندگی کے لیے نظریہ اور لائحہ عمل تجویز کرتا ہے۔ فلسفہ اور مذہب میں بنیادی فرق یہ ہے کہ فلسفہ محض عقل اور عقلی استدلال پر استوار ہوتا ہے۔ انسانی عقل لاکھ اعلیٰ سہی، بہر حال اس میں غلطی کا امکان اور شائبہ موجود ہے۔ اسی طرح عقلی استدلال سے حقیقت اور صداقت تک درست رسائی ضروری نہیں۔ چنانچہ شک فلسفہ کو امکان کی حد تک محدود کرتا ہے۔ جب کہ مذہب کی بنیاد، انسانی عقل کے ساتھ ساتھ الہامی تعلیمات پر ہوتی ہے اس میں علم کا سرچشمہ بالاتر ذات (اللہ تعالیٰ) قرار پاتی ہے اور الہام و وحی اس کا معتبر ذریعہ علم ہوتے ہیں جو ہر قسم کے شک سے پاک ہوتے ہیں۔

لیکن یہ بات پیشِ نظر رہے کہ مذہب محض اندھی تقلید کا نام نہیں۔ الہامی تعلیمات ان حقائق کو آشکار کرتی ہیں جن تک عام انسانوں کی رسائی نہیں ہو پاتی، چنانچہ انبیاؑ کو خصوصی ذریعہ علم (وحی) عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے منصب پر انھیں فائز کیا ہے اور انہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں انسانوں کے لیے نظریۂ حیات، بنیادی افکار، اخلاقی تعلیمات بلکہ پوری زندگی بسر کرنے کے لیے ضابطۂ حیات عطا کیا ہے اور انسانی تاریخ میں ایک تسلسل کے ساتھ انبیاؑ اور رسولوں کا سلسلہ جاری رہا ہے، اس سلسلۂ

نبوت کی آخری کڑی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں جن کی تعلیمات قیامت تک برحق اور محفوظ ہیں اور بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ فلسفیانہ طریق کار مذہبی افکار، عقائد، عبادات اور اخلاقیات کے فہم و ادراک میں مفید ثابت ہوسکتا ہے اور ہر زمانے میں منطق و استدلال کے ذریعے ان حقائق کو اجاگر کر کے اسلام کی حقانیت واضح کی جاتی رہی ہے، اس طرح فلسفہ، مذہب کے فہم و ادراک میں معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

فلسفہ اور رسم و رواج (Philosophy, Customs and Norms)

انسانی زندگی میں رسوم و روایات کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں روابط، جذبات کی تسکین، معاشرتی رویے اور انسانی تعلقات بڑے اہم ہیں۔ ان ضروریات کی تکمیل میں فلسفہ اور فلسفیانہ طریق کار اہم بنیادی حیثیت سے معاون ثابت ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اخلاقیات، روایات، تہذیب و تمدن کے ارتقا اور تخیل میں فلسفیانہ افکار ہی کو بنیاد بنایا جائے گا جو آگے چل کر طالب علم کی زندگی میں استواری اور تہذیب پیدا کر کے ایک کامیاب شہری کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے کے قابل بنائیں گے۔

فلسفہ اور تعلیم کا باہمی تعلق

فلسفہ اور تعلیم کا آپس میں تعلق ایسے ہے جیسے انسانی جسم میں روح و جان۔ عمل تعلیم کی مثال انسانی جسم کی سی ہے جب کہ فلسفہ کی مثال روح کی سی ہے۔ مسلسل رواں دواں ہوتا ہے جیسے جسم میں روح۔

اگر ہم فلسفہ اور تعلیم کی تعریفوں پر غور کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فلسفہ کی مدد سے جن حقائق اور صداقتوں تک رسائی ہوتی ہے، انہی حقیقتوں اور سچائیوں کو عمل تعلیم اور نظام تعلیم کے مختلف عناصر میں ڈھال کر طالب علموں کو ان حقائق سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ حقائق سے آگہی و شعور کا عمل ہی تعلیم ہے اور فلسفہ جن معیارات کا تعین کر کے انھیں قدریات اور اخلاقیات کا نام دیتا ہے، عملِ تعلیم کے ذریعے انہی اقدار و اخلاقیات کو طالب علم کی سیرت سازی اور تشکیل کردار کے لیے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ تعلیم، فرد کی تکمیل ذات، معاشرتی مطابقت اور ثقافتی ورثے کی نسلِ نو تک منتقلی کا عمل ہے۔ اس عمل کے لیے بنیادی حقائق اور صداقتیں فلسفہ مہیا کرتا ہے۔

تعلیم کا نظریاتی پہلو (Theoretical aspect) فلسفہ ہے اور عملی پہلو (Practical aspect) تعلیم ہے۔ یہ دونوں پہلو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اگر فلسفہ نہ ہو تو عملِ تعلیم بے کار ہے اور تعلیم کے بغیر فلسفہ محض وہم ہے۔

اس لیے تعلیم اور نظام تعلیم کے لیے فلسفہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں یہ بات واضح کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم اور نظام تعلیم کی درستگی اور صحیح بنیادوں پر تشکیل کے لیے فلسفہ کا درست ہونا ضروری ہے۔ فلسفہ اور تعلیم کا باہمی تعلق اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ فلسفے کا عملی پہلو تعلیم ہے اور تعلیم کا نظریاتی پہلو فلسفہ ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک ہی شے کے دو رخ ہیں۔ تعلیم فلسفے کی تجربہ گاہ اور فلسفیانہ تصورات کی عملی تشکیل ہے۔

فلسفہ ایک ایسا محور ہے جس کے گرد پورا نظام تعلیم گردش کرتا ہے۔ فلسفہ کے ذریعے ہی نظام تعلیم کی اصلاح ممکن ہے۔ گویا فلسفہ اور تعلیم ہر لحاظ سے ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔ تعلیم کے بغیر فلسفہ باقی نہیں رہ سکتا اور فلسفے کے بغیر تعلیم ذہنی انتشار کے سوا کچھ نہیں۔

عملِ تعلیم میں فلسفہ کا کردار (Contribution of philosophy towards Education)

عملِ تعلیم میں فلسفہ قدم قدم پر رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ عملِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کے تمام عناصر کو آپس میں مربوط، ہم آہنگ اور ہم رنگ بنانے میں فلسفہ انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ عملِ تعلیم میں فلسفیانہ طریق کار کا استعمال جو تعلیم کو سمجھنے اور اس کے مسائل کے حل کی تعبیر میں معاونت کرے فلسفۂ تعلیم کہلاتا ہے۔ فلسفۂ تعلیم کا تعلیمی عمل میں کردار مندرجہ ذیل نکات کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے:۔

1- جس طرح فلسفہ، انسانی زندگی کو مجموعی تناظر میں اور کلی حیثیت سے دیکھتا ہے اسی طرح فلسفۂ تعلیم، عملِ تعلیم پر بحیثیت مجموعی بحث کرتا ہے اور کلی حیثیت سے اس کے تعین اور استوار کرنے میں مدد دیتا ہے۔

2- نظامِ تعلیم کا اہم ترین عنصر مقاصدِ تعلیم ہے۔ مقاصدِ تعلیم کا تعین اس فلسفۂ حیات اور نظریۂ حیات کی روشنی میں کیا جاتا ہے جسے معاشرہ بحیثیت قوم قبول کرتا ہے چنانچہ ان مقاصدِ تعلیم کا تعین فلسفۂ تعلیم کے بتائے ہوئے اصولوں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔

3- فلسفۂ تعلیم ، پورے نظامِ تعلیم میں بحیثیت روح کے جاری وساری رہتا ہے۔

4- فلسفۂ تعلیم تمام عناصرِ تعلیم کو آپس میں مربوط، منظم اور مترتب بنانے میں، ایک محور کی حیثیت رکھتا ہے۔ فلسفۂ تعلیم کے بغیر یہ عناصر یکجا اور مربوط نہیں رہ سکتے۔

5- تعلیم کا ایک اہم عنصر نصابِ تعلیم ہے۔ تعلیمی نصابات اور درسی کتب کی تدوین وتشکیل، مقاصدِ تعلیم پر مبنی ہوتی ہے۔ اس طرح فلسفہ نصاب سازی کے عمل میں اہم حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ موادِ نصاب (Content) میں بھی فلسفہ کی واضح چھاپ نظر آئے گی۔ مثال کے طور پر اگر کوئی فلسفہ حواسِ خمسہ ہی کو علم کا معتبر ذریعہ سمجھتا ہے تو اس فلسفے کے تحت بننے والے نصاب میں حواسِ خمسہ کے ذریعے حاصل شدہ علم اور ان سے متعلقہ مضامین کو مرکزی حیثیت ملے گی لیکن اس کے برعکس وحی الٰہی کو علم کا معتبر ذریعہ تسلیم کیا جائے تو ایسے نصابات اور موادِ نصاب میں قرآن وحدیث اور اس کے معاون علوم اور مضامین کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگی۔

6- حکمتِ تدریس بھی نظامِ تعلیم میں اہم عنصر ہے۔ اس سے مراد وہ تمام سرگرمیاں، عملی تدابیر اور وسائل ہیں جن کی مدد سے موادِ نصاب طلبہ تک پہنچایا جاتا ہے۔ حکمتِ تدریس میں بھی فلسفے کا کردار بڑا اہم ہے۔ حکمتِ تدریس، موادِ نصاب کے مطابق ہوتی ہے اور اس میں فلسفیانہ نقطۂ نظر پیشِ نظر رکھ کر تدریس کا انداز اختیار کرنا چاہیے۔ کیا طالب علم کے سامنے زیرِ بحث موضوع کے دونوں پہلو پیش کر دینا کافی ہے؟ اور اس کے قبول یا رد کرنے کا معاملہ طالب علم پر چھوڑ دیا جائے یا اس موضوع کا خاص پہلو طالب علم کے ذہن نشین کرایا جائے۔ اس طرح فلسفیانہ اندازِ فکر کے نتیجے میں تدریسی حکمتِ عملی میں فرق واقع ہوجاتا ہے مثلاً ترقی پسند فلسفہ میں علمی آزادی کو تدریسی حکمتِ عملی کے طور پر اپنایا جائے گا جب کہ روایت پسند فلسفہ میں ذہن سازی کو ترجیح دی جائے گی۔

7- تعلیمی عمل میں تنقید، تبصرہ اور تعبیر کا معاملہ بھی فلسفہ کے تحت ہوگا، جیسا فلسفۂ تعلیم ہوگا اسی انداز میں حقائق اور تصورات کی تعبیر وتشریح کی جائے گی۔

8- نظامِ تعلیم کی تشکیل وتنقید کے ساتھ ساتھ، اس میں اصلاح اور ارتقاء کے لیے بھی فلسفۂ حیات اور فلسفۂ تعلیم رہنما ثابت ہوتا ہے۔ عملِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کی اصلاح، واضح مقاصد اور ضروریات کے تحت ہونی چاہیے۔ ان مقاصد اور ضروریات کا تعین، فلسفیانہ افکار کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔

9- نظامِ تعلیم میں امتحانات و جائزہ کا عمل، مقاصدِ تعلیم کے حصول کی روشنی میں سرانجام پاتا ہے۔ اس جائزہ کے اصول اور بنیادی نکات، فلسفۂ تعلیم کے حوالے سے طے کیے جاتے ہیں کہ کوئی نظامِ تعلیم مقاصدِ تعلیم کے حصول میں کس حد تک کامیاب ہے یا ناکام ثابت ہو رہا ہے۔

مندرجہ بالا نکات اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ فلسفۂ تعلیم اور فلسفۂ حیات کا تعلیمی عمل میں کس حد تک عمل دخل ہے۔

3- تعلیم کی نفسیاتی بنیادیں

نفسیات علم کا ایسا شعبہ ہے جس میں انسانی فطرت، رجحانات، ذہن اور اس کے طرزِ عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے بہت پیچیدہ (Complex) ہے اور ہر انسان اپنے طبائع، رجحانات، دلچسپیوں، صلاحیتوں اور ضروریات کے لحاظ سے دوسرے انسانوں سے کسی نہ کسی لحاظ سے مختلف ہے۔ انسانی فطرت، ذہانت اور رجحانات و جذبات کا مطالعہ بہت مشکل بھی ہے اور دلچسپ بھی۔

چنانچہ تعلیمی عمل میں جہاں قدم قدم پر مختلف شخصیتوں اور طبائع سے واسطہ پڑتا ہے، علمِ نفسیات کی مدد اور رہنمائی کی اشد ضرورت ہے۔

تعلیمی نفسیات

نفسیات کی وہ شاخ جو عمومی نفسیات سے اخذ شدہ اصول وضوابط کا عمل تعلیم میں اطلاق کرتی ہے، تعلیمی نفسیات کہلاتی ہے۔

تعلیمی عمل کی کامیابی میں تعلیمی نفسیات کا کردار بڑا اہم ہے۔ تعلیمی عمل کے دوران، اساتذہ کے سامنے جو مسائل پیش آسکتے ہیں، ان سب کے حل کے لیے علم نفسیات مناسب اور مؤثر رہنمائی فراہم کرسکتا ہے۔ تعلیم افراد معاشرہ کی متوازن نشوونما اور شخصیت کی ہمہ پہلو تکمیل کا نام ہے۔ اس عمل کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ تعلیم افراد معاشرہ کی صلاحیتوں، نفسیاتی ضرورتوں سے ہم آہنگ ہو۔ نفسیات کی مدد سے تعلیمی عمل کی ماہیت کا مطالعہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح متعلم کی فطرت اور عمل تعلیم کی ماہیت کے مطالعہ سے تعلیمی عمل اور نظامِ تعلیم کی تنظیم وتشکیل کے لیے نفسیات کا علم ایک اہم اساس کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔

علمِ نفسیات اور تعلیم میں تعلق

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایک منفرد شخصیت بنا کر دنیا میں پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی وراثتی خصوصیات کے ساتھ ساتھ اپنے گھر، ماحول اور معاشرہ سے متاثر ہوتا ہے۔ وراثتی خصوصیات اور ماحول کے زیرِ اثر بچے میں ایک خاص قسم کا کردار پیدا ہوتا ہے جو اس کے ظاہری اعمال، باطنی کیفیات اور ماحول کے اثرات کے ردِ عمل پر مشتمل ہوتا ہے۔

مدرسہ میں افراد، مختلف گھرانوں اور مختلف ماحول سے تعلق کی بنا پر مختلف شخصیتوں کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کی ذہنی سطح، ذاتی رویہ وکردار، رجحانات، جذباتی اور معاشرتی مسائل بھی مختلف ہوتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں مدرسہ کے نظم وضبط، تدریسی مشکلات، تنظیم جماعت، انفرادی اختلافات کے مسائل اور ان مسائل سے عہدہ برآ ہونے میں تعلیمی نفسیات بہت مفید ثابت ہوتی ہے۔

تعلیم کا ایک مقصد فرد کو آئندہ زندگی میں کامیابی کے لیے تیار کرنا ہے۔ نفسیات کے ذریعے ہمیں فرد کی ذہنی صلاحیتوں کا پتہ چل سکتا ہے۔ اس طرح ہم فرد کو اس کے حالات کے مطابق تعلیم دینے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ علمِ نفسیات کی مدد سے استاد کو اس بات کا

علم ہو جاتا ہے کہ عمل تدریس میں کسی خاص مقصدِ تعلیم کو حاصل کرنے کے لیے کن نفسیاتی پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

ایک کمرۂ جماعت میں منفرد شخصیتوں پر مشتمل گروہ ہوتا ہے، اسی طرح مختلف شخصیتوں کے حامل افراد کو ایک ہی کمرۂ جماعت میں مؤثر تعلیم کیسے دی جائے۔ اس مسئلہ کے حل کے لیے علم نفسیات ہماری مدد کرتا ہے۔

تعلیم کی نفسیاتی اساس کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:۔

1- ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، لہٰذا انسان کے لیے مرغوب اور پسندیدہ علم وہی ہے جو فطرت کے نظام سے متعلق ہو۔ تعلیمی نفسیات ان دونوں کو پروان چڑھانے میں مدد دیتی ہے۔

2- تعلیمی نفسیات کا اصل نصب العین، انسان کی ایسی ہمہ پہلو نشوونما ہے جس میں جسمانی، ذہنی، جذباتی صلاحیتیں شامل ہیں۔ تعلیمی نفسیات کا اصل کام یہ ہے کہ وہ انسان کی اس انداز سے تربیت کرے کہ انسان کو بالآخر رضائے الٰہی کے تابع کر دے۔

3- تعلیمی نفسیات کے حوالہ سے ایک استاد کو بچے کی فطری جبلتوں اور صلاحیتوں کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ فطرت انسانی کا جبلی تقاضہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو اپنا نصب العین قرار دے اور صفات الٰہی کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کر کے قربت الٰہی حاصل کرے۔ نفسیات ان فطری اور جبلی تقاضوں کو سمجھنے میں استاد کی مدد کرتی ہے۔

4- ہر انسان فطرتاً آزاد پیدا ہوا ہے، اس لیے عملِ تعلیم اور ہم نصابی سرگرمیوں میں اس پر کسی قسم کی بے جا پابندی عائد کرنا درست نہیں۔ علم نفسیات بچوں کے لیے موزوں ہم نصابی سرگرمیوں کے تعین میں مدد کرتا ہے۔

5- افراد میں اور خصوصاً زیرِ تعلیم بچوں کی استعداد اور میلان طبع کے اختلافات کو تسلیم کر کے نصابِ تعلیم اور طریق تدریس میں ضروری علمی مواد ذہنی اور لسانی صلاحیتوں کے مطابق شامل کرنے میں علمِ نفسیات رہنمائی کرتا ہے۔

6- انسان، اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ ہے۔ انسانی زندگی کا نصب العین، معرفتِ الٰہی اور اطاعتِ الٰہی ہے۔ جب تک انسانی نفسیات کا مطالبہ ہدایت الٰہی کی روشنی میں نہیں کیا جائے گا، حقیقت اصلیہ تک رسائی ممکن نہیں ہے۔

7- عمل تعلیم کا ایک اہم جزو، تعلم یا آموزش ہے، تمام تعلیمی سرگرمیوں میں بچے کی نشوونما اور عملِ تعلیم کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ عملِ تعلیم کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

الف۔ بچے کی نشوونما کے مراحل

ب۔ عمر کے مختلف مدارج میں بچے کے رویے

ج۔ بچوں کی دلچسپیاں، رجحانات اور ضروریات

اگر نظامِ تعلیم اور عملِ تعلیم میں بچوں کی مختلف جائز انفرادی اور اجتماعی ضرورتوں کا خیال نہ رکھا جائے تو تعلیمی عمل اور نظامِ تعلیم غیر متوازن اور ناکام ثابت ہوگا۔

8- علمِ نفسیات ہر انسان کے اندر موجود نفسِ امارہ، نفسِ لوامہ اور نفسِ مطمئنہ کے تقاضوں کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ تعلیم و تربیت کے عمل میں، نفسِ امارہ یعنی نفسانی اغراض اور خواہشات کی پرستش سے بچنے اور نفسِ لوامہ کے ذریعے محاسبہ کا عمل جاری رہتا ہے اور بالآخر انسان نفسِ مطمئنہ کے ذریعے احسان اور تقویٰ کے مقام کو حاصل کر سکتا ہے۔

تعلیم میں نفسیات کا کردار (Contribution of Psychology towards Education)

نفسیات کا موضوع، بچوں کے ذہن، کردار، رویہ جات اور رجحانات کا مطالعہ ہے۔ اس کی مدد سے بچوں کی خصوصیات اور دلچسپیوں کا پتہ چلتا ہے۔ یہ تدریسی عمل کو مؤثر بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

مندرجہ ذیل نکات سے تعلیمی نفسیات کا کردار واضح طور پر سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے:۔

1- تعلیمی نفسیات کی مدد سے بچوں کی نشوونما کا مطالعہ، استاد کو ایسے اصولوں سے آگاہ کرتا ہے جن پر عمل کر کے تعلم کا عمل مؤثر اور آسان بنایا جاسکتا ہے۔

2- تعلیمی عمل کو بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے اور بچوں کی ذہنی سطح، کردار، جذبات اور رجحانات کو پیش نظر رکھ کر اس عمل کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔

3- بچوں کے انفرادی اختلافات اور ان کے مسائل سے آگاہی حاصل کر کے تدریسی عمل کو زیادہ مؤثر، دلچسپ، دیرپا اور بہتر بنایا جاسکتا ہے۔

4- عمر کے مختلف مدارج میں بچوں کی جسمانی، ذہنی اور جذباتی صلاحیتوں کا فہم حاصل کر کے معلم اپنے طریق تدریس کو بہتر بنا سکتا ہے۔

5- مدارس میں نظم ونسق کے مسائل، تدریسی مشکلات، جماعتی تنظیم، معاشرتی ومعاشی تفاوت اور طلبہ کی معاشرتی نشوونما کے مسائل کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔

6- بچے کے کردار کو سمجھنے اور مستقبل میں اس کی کامیابی کے لیے مفید پیش گوئی ہوسکتی ہے، ایسا سائنسی مطالعہ، طلبہ کے ذاتی اور گروہی مسائل کے حل میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔

7- استثنائی بچوں (Special Children) کے انفرادی مسائل کا مطالعہ کر کے ان کے مسائل کو حل کرنے میں مدد ملتی ہے تاکہ ایسے بچوں کے لیے تعلیمی عمل کامیابی سے ہمکنار ہوسکے۔

8- تعلم کو سمجھنے، اس پر اثر انداز ہونے والے عوامل کو جاننے اور تعلم کے محرکات میں حائل رکاوٹوں پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

9- بچوں کی دلچسپیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اور اس کے مطالعہ کے لیے مہارت اور طریقے وضع کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح تعلیمی نفسیات کی مدد سے متعلم کے لیے مطالعاتی مواد کی سائنسی بنیادوں پر انتخاب اور تیاری کے عمل کو مفید اور مؤثر بنایا جاسکتا ہے۔

10- تعلیمی نفسیات مجموعی طور پر عملِ تعلیم کے مؤثر بنانے، مقاصد تعلیم کے حصول میں کامیابی، عملِ تعلیم کی راہ میں حائل دشواریوں پر قابو پانے نیز متوسط اور پیچھے رہ جانے والے بچوں کی علمی استعداد کو بڑھانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

4- تعلیم کی معاشرتی بنیادیں

معاشرہ اور تعلیم

جب انسانوں کا کوئی گروہ شعوری طور پر مشترکہ مقاصد کے تحت مل جل کر زندگی بسر کرے تو انسانی معاشرہ وجود میں آتا ہے، گویا افراد کے باہمی ملاپ سے تشکیل پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو معاشرت پسند بنایا ہے یعنی انہیں آپس میں مل جل کر رہنے کی خواہش ودیعت کی ہے۔ اس خواہش کے نتیجے میں نسلِ انسانی کے تحفظ، بقا اور تسلسل کے لیے معاشرے کا وجود ضروری ہے۔ معاشرے

کے اجزائے ترکیبی میں، افراد کے رہن سہن، مشترکہ رسوم ورواج، مشترکہ نظریۂ حیات، مشترکہ زبان، مذہبی، معاشرتی، تہذیبی اور ثقافتی اقدار میں مماثلت شامل ہیں۔

بچہ جب اس دُنیا میں آتا ہے تو یہ دُنیا اس کے لیے اجنبی ہوتی ہے۔ آہستہ آہستہ وہ اپنے ماحول سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اپنے اردگرد کے ماحول سے متاثر ہو کر وہ ایسی حرکات واعمال کرتا ہے جن کا وہ اپنے ماحول میں مشاہدہ کرتا ہے اس طرح وہ معاشرے کا رکن بن جاتا ہے۔

بچے کی اولین درس گاہ اس کے گھر کا ماحول ہوتا ہے۔ گھر کے ماحول سے متاثر ہو کر وہ مسلسل ایک تعلیمی عمل سے گزرتا رہتا ہے۔ اس طرح بچے کا معاشرتی پہلو اس کی تعلیم کے لیے اساس کا کام دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بچے کی اولین درس گاہ ماں کی گود ہوتی ہے اور بچے کے اولین معلم اس کے والدین ہوتے ہیں۔ بچے کی ابتدائی تعلیم وتربیت میں اس کے گھریلو ماحول کا اہم کردار ہوتا ہے۔ یہاں بچے کی شخصیت پر گہرے اور دیرپا نقوش مرتب ہوتے ہیں۔

بچہ فطری طور پر اپنے ماحول سے متاثر ہو کر ان تمام چیزوں کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے جو دیگر افرادِ خانہ اس کے سامنے کرتے ہیں۔ افرادِ خانہ بچے کو ابتدائی باتوں کی تلقین کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کو ماننا، بڑوں کی عزت کرنا، بُری باتوں سے بچنا، دوسروں کو سلام کرنا، سچ بولنا اور جھوٹ سے بچنا وغیرہ ایسی باتیں ہیں جن کی بنیاد پر گھر کے ماحول سے بچہ تعلیم وتربیت پاتا ہے۔

معاشرہ اور تعلیمی ادارہ

قدیم معاشرے میں انسانی ضروریات محدود تھیں اور معاشرہ زیادہ ترقی یافتہ نہیں تھا۔ اس لیے والدین کے لیے بچوں کو معاشرتی اقدار کی تعلیم دینا مشکل نہ تھا۔ مگر رفتہ رفتہ معاشرے کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسانی ضروریات میں تبدیلی کے نتیجے میں بچوں کو گھر میں تعلیم دینا ممکن نہ رہا۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے تعلیمی ادارے قائم کیے گئے جو بچوں کی ضروریات کی تکمیل کر سکیں۔ اس طرح رسمی تعلیمی ادارے وجود میں آئے تاکہ افرادِ معاشرہ ان اداروں میں تعلیم حاصل کر کے اپنے لئے معاشرے میں مقام بنا سکیں اور معاشرے کی تعمیر میں بھی اپنا کردار ادا کر سکیں۔

عملِ تعلیم کسی معاشرے ہی میں ممکن ہے۔ کسی بھی معاشرے میں نظامِ تعلیم کا دارومدار معاشرے کی اقتصادی، سیاسی، مذہبی اور تہذیبی اقدار وضروریات پر ہے۔ انہی اقدار وضروریات سے نظامِ تعلیم کی تشکیل ہوتی ہے اور انہی سے مقاصدِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کے عناصر کا تعین ہوتا ہے۔ تعلیم ہی سے کسی فرد کے معاشرتی منصب کا تعین ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک کے معاشرے اور تعلیم کے باہمی تعامل پر ملک کے مستقبل کا انحصار ہوتا ہے۔

تعلیم اور معاشرے کا باہمی تعلق بہت گہرا ہے۔ ان میں ہم آہنگی کا پایا جانا ضروری ہے۔ اسی سے اچھے نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ دنیا کی بدلتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے عملِ تعلیم میں مسلسل اور سوچی سمجھی تبدیلیاں ضروری ہیں تاکہ تعلیم بدلتے ہوئے وقت کے تقاضوں کا ساتھ دے سکے اور معاشرہ کو خوب سے خوب تر بنانے میں اپنا فعال اور متحرک کردار ادا کر سکے۔ اچھی تعلیم، معاشرے کی اہم ضروریات کو فراموش نہیں کر سکتی۔ بہتر سے بہتر مستقبل تک پہنچنے کی جستجو اور جدوجہد کا یہ عمل جاری وساری رہنا چاہیے۔

معاشرے میں مدرسہ کا کردار

مدرسہ ایک معاشرتی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے جو طلبہ کے لیے ایسے تجربات فراہم کرتا ہے جن سے گزر کر ان کی خداداد صلاحیتیں

بیدار ہوتی ہیں۔ان میں اجتماعی زندگی بسر کرنے کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ مدرسہ میں بچے مختلف خاندانوں اور گھرانوں سے آتے ہیں۔ وہ مختلف معاشرتی، معاشی پس منظر رکھتے ہیں۔ان کا گھریلو ماحول، صلاحیتیں اور خیالات وتصورات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں جب کہ مدرسہ میں ایک خاص قسم کا ماحول ہوتا ہے۔ مدرسے کے نظم وضبط کا بچے کی شخصیت پر اثر پڑتا ہے۔ وہ مدرسہ کے ماحول میں آہستہ آہستہ ڈھل کر دوسرے کے ساتھ مل کر معاشرتی زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ سیکھتا ہے۔ بعض اوقات شعوری طور پر اور اکثر غیر شعوری طور پر مدرسہ کے دوسروں بچوں سے متاثر ہو کر منظم معاشرتی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یہاں بچہ جو کچھ سیکھتا ہے وہ اپنے گھر، محلے یا معاشرے میں نہیں سیکھتا۔ مدرسے کو پورے معاشرے کی تائید اور حمایت حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اس میں بچوں کی شخصیت بہتر اور کردار کی تربیت زیادہ مؤثر طریقے سے ہوتی ہے۔

معاشرہ ہی تعلیمی ادارے قائم کرتا ہے۔ اس لیے معاشرہ کی یہ ضرورت ہوتی ہے کہ مدرسہ نہ صرف بچوں کی ہمہ پہلو تربیت کا اہتمام کرے، بلکہ ایسے افراد تیار کرے جو معاشرے کی تعمیر وترقی میں اپنا کردار بطریق احسن ادا کر سکیں۔ چنانچہ مدرسہ کی تعلیم کے لیے ضروری ہے کہ وہ فرد اور معاشرہ دونوں کی ضروریات کی تکمیل کر سکے۔

تعلیم کی معاشرتی اساس کے چند اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:۔

1- تعلیمی ادارہ درحقیقت ایک معاشرتی ادارہ ہے اور نظام تعلیم براہ راست معاشرے کے مسائل اور ضرورتوں سے متاثر ہوتا ہے۔ ہر معاشرہ کی منفرد خصوصیات ہوتی ہیں۔ وہ اپنی اقدار، روایات اور تہذیب وثقافت رکھتا ہے۔ زندہ قومیں اپنی اقدار وروایات کو زندہ رکھتی ہیں۔ چنانچہ تعلیم کی اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے معاشرے کی خصوصیات کو پیش نظر رکھے اور معاشرے کو مطلوب افراد مہیا کرے مثلاً پاکستانی معاشرے میں تعلیم کے ذریعے مسلمان پاکستانی تیار کرنا تعلیم کا اصل مقصد ہے۔

2- پاکستان ایک اسلامی نظریاتی مملکت ہے اس لیے یہاں کی تعلیم میں اس اہم نکتہ کو پیش نظر رہنا چاہیے کہ مالک حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ تعلیم کو اس بنیاد پر استوار کرنے کے نتیجے میں ایک ایسی شخصیت تیار ہونی چاہیے جو اپنی پوری زندگی اللہ کے تصرف میں دے کر اپنے ہر معاملے میں اللہ کے احکام کی پیروی کرے اور اسی کی طرف رجوع کرے۔

3- تعلیم کے ذریعے بچوں کو یہ احساس دلایا جائے کہ ساری انسانیت حضرت آدمؑ کی اولاد ہے۔ انسانی وحدت اور معاشرتی مساوات ورواداری کی بنیاد پر معاشرے کی تشکیل کی جا سکے۔ تقریری وتحریری مقابلے، مقابلہ حسنِ قرأت وغیرہ ایسی سرگرمیاں ہیں جن سے یہ مقصد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

4- تمام مسلمان آپس میں اُخوت ووحدت کے رشتے میں منسلک ہیں۔ ان میں نظریاتی ہم آہنگی اور فکری وعملی مطابقت کے لیے ضروری ہے کہ معاشرہ کی تشکیل وتعمیر اسلامی اخوت وبھائی چارے کی بنیاد پر کی جائے جو اسلام کی قومی وعملی شہادت دے۔ اس مقصد کے لیے نظری تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی تربیت بھی دینا ضروری ہے۔

5- تعلیم افرادِ معاشرہ میں اجتماعی ذمہ داری کا تصور اجاگر کرتی ہے۔ نظام تعلیم پورے معاشرے میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ معاشرہ اچھائیوں کو پھیلانے اور نیکیوں کو قائم کرنے والا ہو اور برائیوں کو روکنے والا ہو۔ دوسروں کے حقوق ادا کرنا اور اپنے فرائض کی ادائیگی کا شعور تعلیم کی معاشرتی ذمہ داری ہے۔

6- تعلیم کے اہم معاشرتی کردار

معاشرتی بنیاد کے حوالہ سے تعلیم کے تین اہم معاشرتی کردار ہیں۔

i- تعلیم معاشرے کی دائمی قدروں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ آئندہ نسلوں تک منتقل کرے۔

ii- تعلیم معاشرتی اقدار اور تجربات تنقید اور تطہیر کے بعد صرف مفید تجربات، مشاہدات اور معلومات طلبہ کی نئی نسل تک منتقل کرتی ہے۔

iii- تعلیم کا یہ کام صرف اقدار کی منتقلی اور اصلاح تک محدود نہیں بلکہ وہ تخلیق سے کام لے کر معاشرتی ترقی کے لیے بھی اپنا کردار ادا کرتی ہے تاکہ مستقبل کے مسائل بھی حل ہو سکیں۔ تعلیم کے معاشرتی کردار کو اپنانے کے لیے مدرسہ میں مندرجہ ذیل ذرائع اختیار کر کے عمل تعلیم کو مؤثر و معاون بنایا جاسکتا ہے۔

تعلیم کی معاشی بنیادیں

کسی بھی معاشرے کی ترقی اور خوشحالی کا دارومدار، اس کے معاشی وسائل اور ان کے صحیح استعمال پر ہے۔ اگر قدرتی وسائل موجود ہوں لیکن معاشرہ ان وسائل سے آگاہ نہ ہو اور ان کو استعمال میں نہ لائے تو ان وسائل کا ضیاع ہوتا ہے۔ اسی طرح وسائل کی کمی بھی معاشرے کی اقتصادی ترقی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ وسائل کی کمی کو محنت اور بہتر منصوبہ بندی سے کسی حد تک پورا کیا جاسکتا ہے۔ تاہم اس کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کے تمام افراد کو ان وسائل کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے اور مناسب استعمال کی تربیت دی جائے۔

تعلیم ہی ایسا عمل ہے جس کی مدد سے طلبہ کو معاشرے کی معاشی ترقی میں اپنا مثبت کردار ادا کرنے کے لیے تیار کیا جاسکتا ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک نے افرادِ معاشرہ کی تعلیم خاص طور پر سائنس و ٹیکنالوجی کی تعلیم و تربیت کے ذریعے معاشی مسئلے کا حل پیش کر کے دوسروں کے لیے نمونہ پیش کیا ہے۔ اسی سے معاشرہ انفرادی، اجتماعی اور اقتصادی طور پر ترقی کی راہ پر گامزن ہوگا۔

تعلیم اور معاشیات کا باہمی تعلق

تعلیمی ادارے، افرادِ معاشرہ کو مختلف پیشوں کے لیے زیورِ تعلیم سے آراستہ کر کے معاشرے کی ضروریات کو پورا کرنے میں مدد دیتے ہیں اور اس کے اثرات نہ صرف معاشرے کی سماجی، سیاسی اور گھریلو زندگی پر پڑتے ہیں بلکہ ملک میں معاشی خوش حالی کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

تعلیم کے ذریعے معاشرے کی افرادی قوت کو معاشی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے اور معاشی ترقی میں اپنا کردار ادا کرنے کے قابل بنایا جائے۔ اگر تعلیم، افرادِ معاشرہ میں ایسی خوبیاں اور اوصاف پیدا کرے جو ایک جدید اور ترقی یافتہ معاشرہ کے لیے ضروری ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ملک معاشی و اقتصادی لحاظ سے خوشحال نہ ہو مثلاً تعلیم کے ذریعے طلبہ میں تحقیق، تجربہ، ہنرمندی، احساس ذمہ داری اور کام کرنے کی لگن پیدا کر دی جائے تو معاشرہ اپنی تکمیل کی راہیں خود تلاش کر لے گا۔

ملکی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ملک میں تعلیم و تربیت کا ایک ایسا نظام ہو جو معاشرے کے ہر شعبۂ زندگی کے لیے موزوں افرادی قوت مہیا کرنے کا اہل ہو۔ گویا ملک کے نظامِ تعلیم میں معاشی ترقی کے لیے مندرجہ ذیل خصوصیات پائی جانی چاہئیں:۔

1- نظام تعلیم طلبہ کو ایسے مواقع فراہم کرے کہ وہ اپنی فطری صلاحیتوں کا مظاہرہ کر سکیں۔

2- طلبہ کی صحیح سمت میں رہنمائی کرے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں اور رجحانات کے مطابق مناسب پیشوں کا انتخاب کر سکیں۔

3- صنعتی، تجارتی اور زرعی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام کرے

4- فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کے حصول کے لیے ذرائع فراہم کرے۔

5- سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کے لیے مناسب اور اہل افرادی قوت تیار کرے۔

6- معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی ترقی میں مددگار ثابت ہو۔

7- ابتدائی تعلیم پر خصوصی توجہ کے نتیجے میں طلبہ کی تعلیمی بنیادوں کو مضبوط اور پائیدار بنائے۔

8- نصاب تعلیم میں بدلتے ہوئے حالات اور تقاضوں کے مطابق تبدیلی اور ترمیم کی گنجائش رکھے۔

9- تعلیمی ادارے میں جدید علوم پر تحقیق کے مواقع فراہم کرے۔

10- مجموعی طور پر ایسی تعلیمی حکمتِ عملی وضع کر کے انھیں جدید خطوط پر اس طرح استوار کرے جو معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ سماجی اور معاشرتی ترقی کی رفتار کو تیز کرے۔

تعلیم کی معاشی بنیادوں کے لیے مندرجہ ذیل نکات بہت اہم ہیں:۔

1- تعلیم کی معاشی اساس میں طلب حلال اور اجتناب حرام کا خاص خیال رکھا جائے۔

2- کسبِ معاش کے ذرائع میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز ضروری ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے حلال اور جائز روزی کے حصول کے لیے جدوجہد اور کوشش عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

3- انسانوں اور افرادِ معاشرہ کی جائز معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے معاشی وسائل کی تلاش اور فراہمی پر خصوصی توجہ دی جائے۔

4- کسبِ حلال کے لیے مختلف پیشوں کے لیے ماہرین کی تیاری کے لیے پیشہ ورانہ پہلو کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ تعلیم برائے تعلیم کے ناقص تصور کی بجائے، تعلیم معاشرے کے ہنرمند افراد، کارکن اور لیڈر تیار کرے جو تمام شعبہ ہائے حیات میں اسلامی اقدار اور اصولوں کی روشنی میں وسائل رزق تلاش کر سکیں اور معاشرے کی معاشی ضروریات کی تکمیل کر سکیں۔

5- تسخیر کائنات کے اصولوں کو پیشِ نظر رکھ کر کائنات کے اندر پوشیدہ خزانوں کا کھوج لگایا جائے اور وسائل رزق کی تلاش کے لیے مادی اور معدنی وسائل کو بروئے کار لایا جائے۔ اس مقصد کے لیے تعلیم میں تحقیق کو نمایاں حیثیت دی جائے۔

6- تعلیم کے ذریعے افرادِ معاشرہ میں محنت میں عظمت کے اصول کو اجاگر کیا جائے۔

7- معاشی ترقی کی راہ میں بدعنوانی، کرپشن اور ہر قسم کے استحصال اور ناجائز ہتھکنڈوں کے ذریعے دولت کے حصول کی حوصلہ شکنی کی جائے اور تعلیم کے ذریعے افرادِ معاشرہ کو اس سے آگہی اور شعور پیدا کیا جائے۔

8 معاشرے میں پس ماندہ اور محروم طبقات کو معاشی لحاظ سے اوپر اٹھانے کے لیے اسلامی اخوت اور اسلام کے معاشی تصورات کو افرادِ معاشرہ کے ذہنوں میں اجاگر کرنے کے لیے تعلیم کو ذریعہ بنایا جائے۔

مندرجہ بالا باتوں میں پیشہ ورانہ مہارتوں کے ساتھ ساتھ اللہ کی رضا کا جذبہ پیدا کرنے اور اخروی زندگی کی تیاری کا اہم مقصد نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے تاکہ ایک متوازن، عادلانہ، منصفانہ اجتماعی فلاحی معاشرہ وجود میں لایا جاسکے۔

فوائد تعلیم

تعلیم انسان کی پوری شخصیت اور زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے جس سے معاشرہ بھی براہِ راست متاثر ہوتا ہے۔ جس سے معاشرہ مستفید ہوتا ہے تعلیم کا دوسرا پہلو، حاصل کردہ تعلیم کو عملی زندگی میں استعمال کرنے سے ہے جس سے طالب علم کی ذات، خاندان اور ملک کی معاشی خوشحالی اور قومی ترقی میں مدد ملتی ہے۔ اس لحاظ سے تعلیم کے فوائد کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

-1 سماجی فوائد -2 معاشی فوائد

-1 تعلیم کے سماجی فوائد

تعلیم کو معاشی سرمایہ کاری قرار دینے سے عام طور پر تعلیمی فوائد کا ایک پہلو نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور وہ تعلیم کا سماجی اور تہذیبی پہلو ہے۔

تعلیم کا معاشرے کی نشوونما، صحیح خطوط پر رہنمائی اور انسانی شخصیت کی تکمیل میں اہم کردار ہے۔ تعلیم کے سماجی فوائد درج ذیل ہیں۔

-i علمی فوائد

تعلیم علوم و فنون کی ترقی اور اشاعت کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس وقت دنیا میں سائنسی، صنعتی، ٹیکنالوجی، فنون وادب اور عمرانی علوم کا بیش بہا سرمایہ، تعلیم ہی کے ذریعے ممکن ہوا ہے۔ اس میں روز افزوں ترقی اور اضافہ بھی تعلیم کی بدولت ہے۔ یہ تمام علمی سرمایہ بنی نوع انسان کے لیے ایک قیمتی متاع کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر تعلیم کا عمل سست یا ماند پڑ جائے تو یہ تمام علمی سرمایہ ایک دفینے کی حیثیت اختیار کرے گا اور دنیا میں علم کے نور کی بجائے جہالت کی تاریکی چھا جائیگی۔ اسی لیے ایک حدیث شریف میں قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی دنیا سے علم کے اٹھانے کے حوالے سے ہے۔ "اس طرح دنیا میں جہلاء رہ جائیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔" اس سے اندازہ کرنا آسان ہے کہ تعلیم کا اصل فائدہ علمی اور تہذیبی ہے۔

-ii اخلاقی فوائد

انسانی اخلاقیات کے لیے علم واضح بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اخلاق ایک قیمتی زیور ہے اور یہ تعلیم کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اعلیٰ اخلاق ہی سے انسان دنیا میں عزت اور ناموری حاصل کرتا ہے۔ اس لحاظ سے تعلیم تو ہے ہی حسن کمال اور اخلاق عالیہ کی تربیت کا عمل۔ قرآن مجید میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت میں تزکیہ نفس اور اخلاقی پاکیزگی کا ذکر فخریہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ "مجھے اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔" تعلیم کے ذریعے اخلاقی تربیت ملتی ہے جس سے انسان صحیح معنوں میں انسان بنتا ہے۔ انسانی اخلاقیات کے بغیر، معاشرہ ایک مادی اور حیوانی گروہ کی شکل اختیار کر لے گا۔

تعلیم کا بڑا کمال یہ ہے کہ یہ انسان کو اعلیٰ اخلاقی اقدار سے سنوارتی ہے۔ انسانوں کو اپنے حقوق و فرائض کا شعور دیتی ہے۔ دوسروں کے لیے اخلاص اور ایثار کے جذبے سے سرشار کرتی ہے۔ چنانچہ تعلیم کے نتیجے میں ایک ایسا فلاحی معاشرہ وجود میں آتا ہے جس میں اخلاص، تقویٰ، ایثار خیر خواہی اور خیر سگالی کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ دنیا میں امن وسلامتی کا دور دورہ اور معاشی خوش حالی کے ساتھ ساتھ انسانی عظمت اجاگر ہوتی ہے۔

اسلام کے دورِاولین میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تعلیم کے نتیجے میں ایسا مثالی معاشرہ وجود میں آیا تھا جو قیامت تک، نوعِ انسانی کے لیے ایک مثال ہے۔ یہ آپؐ کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا جسے دُنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جس کے مظاہر آج کے اسلامی معاشروں میں بھی نظر آتے ہیں۔

iii- سیاسی فوائد

معاشرے کو منضبط کرنے کا عمل سیاست کہلاتا ہے۔ افراد کی اخلاقی اصلاح کے ساتھ ساتھ تعلیم، معاشرے میں اجتماعی نظم و ضبط پیدا کرتی ہے۔ تعلیم کے حوالے سے یہ بڑی اہم خدمت ہے۔ تعلیم سے اجتماعی شعور کی نشوونما ہوتی ہے۔ افراد میں ملک و ملت کے لیے قربانی کا جذبہ، حب الوطنی اور قومی مفادات سے آگاہی اور تحفظ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور بین الاقوامی حالات سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح تعلیم یافتہ افراد کی شرکت سے سیاسی عمل میں ہمواری پیدا ہوتی ہے۔ سیاسی ارتقا کے نتیجے میں مستحکم جمہوری معاشرہ تشکیل پاتا ہے، جہاں عدل وانصاف کی بنیاد پر حقوق و فرائض کی ادائیگی کا اہتمام ہوتا ہے۔

تعلیم سے احترام آدمیت کے جذبہ کو فروغ ملتا ہے۔ حقوق کا تحفظ اور حصول آسان ہوتا ہے گویا تعلیم سے ایک صحت مند سیاسی نظام کا قیام عمل میں آتا ہے جو بالآخر ملک کی مجموعی ترقی اور معاشی خوش حالی کا باعث بنتا ہے۔

2- تعلیم کے معاشی فوائد

تعلیم کے نتیجے میں معاش اور رزق کے وسائل کی دریافت ہوتی ہے، انسانوں کے لیے بہتر سہولیات اور آسائش کا سامان مہیا ہوتا ہے، ذرائع مواصلات، ذرائع ابلاغ اور ذرائع آمدورفت کی ترقی، تعلیم ہی کی مرہونِ منت ہے۔ تعلیم کے ذریعے افرادِ معاشرہ کی معاشی حالت بہتر ہوتی ہے۔ انھیں روزگار کے مواقع میسر آتے ہیں۔ جس کے اثرات عام افرادِ معاشرہ کے ساتھ ساتھ پورے معاشرے کی اجتماعی اور کاروباری زندگی تک پہنچتے ہیں۔

وسائلِ رزق اور روزگار کے نتیجے میں اندازِ بودوباش بدل جاتا ہے۔ حفظانِ صحت کے اصولوں سے آگاہی ہوتی ہے۔ تعمیر و آرائش، کھانے پینے کے آداب ملبوسات اور آدابِ زندگی میں ایک خوشگوار انقلاب برپا ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ ہنرمند افرادِ معاشرے کے مختلف شعبوں میں حصہ لے کر معاشرے کی تیز رفتار ترقی میں مدد دیتے ہیں۔ حلال روزی کا حصول، فنی تعلیم سے ممکن ہے۔

تعلیم اور بالخصوص سائنسی، تکنیکی، صنعتی و حرفتی اور دیگر پیشہ ورانہ تربیت افراد کی آمدنی اور مجموعی قومی آمدنی میں قابلِ قدر اضافہ کا باعث بنتی ہے۔

اس طرح تعلیم کے بے شمار فوائد کے نتیجے میں انسانی زندگی میں استواری و ہمواری پیدا ہوتی ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں بہتری اور ترقی ہوتی ہے۔ یہ ترقی مادی لحاظ سے بھی ہوتی ہے اور تہذیبی و اخلاقی لحاظ سے بھی، جس سے ایک خوشحال، پرامن، بااخلاق اور ترقی یافتہ عالمی معاشرے کے قیام میں مدد ملتی ہے۔

تعلیم کے معاشی فوائد کو ہم مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت بیان کرسکتے ہیں۔

i- روزگار

تعلیم کی بدولت بڑے پیمانے پر روزگار کے مواقع مہیا ہوتے ہیں۔ مختلف پیشوں سے وابستہ افراد روپیہ کماتے ہیں۔ بڑے

بڑے منصوبے روزگار مہیا کرتے ہیں۔

ii- بہتر معیار زندگی

تعلیم انسان کو بہتر زندگی گزارنے کے انداز بتاتی ہے۔ایک پڑھا لکھا انسان اپنے رہن سہن، میل جول، چال چلن اور تہذیب و تمدن میں نکھار پیدا کرتا ہے۔وہ اپنے آپ کو تقسیم کے ذریعے سنوارتا ہے۔زندگی گزارنے میں اس کا معیار ایک ان پڑھ اور جاہل سے کہیں بہتر ہوتا ہے۔

iii- قومی ترقی

تعلیم سے بحیثیت مجموعی، قومی ترقی کی راہ کھلتی ہے۔ملکی سطح پر زراعت، انجینئرنگ، میڈیکل، جیسے شعبوں نیز صنعت وحرفت کی بدولت معاشی خوشحالی نصیب ہوتی ہے۔

اہم نکات

1- تعلیم کی مندرجہ ذیل بنیادیں ہیں۔

نظریاتی بنیادیں، فلسفیانہ بنیادیں، نفسیاتی بنیادیں، اور سماجی ومعاشی بنیادیں

2- ذرائع علم مندرجہ ذیل ہیں۔

حواس خمسہ، عقل، وجدان، اسنادو روایات، اور وحی

3- تعلیم کا نظریاتی پہلو فلسفہ کہلاتا ہے اور فلسفہ کا عملی پہلو تعلیم کہلاتا ہے۔

4- کسی بھی معاشرے میں نظام تعلیم کا دارومدار معاشرے کی اقتصادی، سیاسی، مذہبی اور تہذیبی اقدار اور روایات پر ہوتا ہے۔

5- تعلیم کے مندرجہ ذیل فوائد ہیں۔

سماجی فوائد، علمی فوائد، اخلاقی فوائد اور سیاسی فوائد

آزمائشی مشق

معروضی حصہ

1- مندرجہ ذیل بیانات میں سے کچھ بیانات صحیح ہیں اور کچھ غلط اگر بیان صحیح ہو تو ''ص'' کے گرد اور اگر بیان غلط ہو تو ''غ'' کے گرد دائرہ لگائیں۔

i- عمل تعلیم اور تعلیمی نظام کو قومی نظریہ حیات سے جدا کیا جاسکتا ہے۔ ص / غ

ii- اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلامی نظریہ حیات کا جاننا ضروری نہیں ہے۔ ص / غ

iii- انسان ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ ہے۔ ص / غ

iv- علماء انبیا علیہ السلام کے وارث ہیں۔ ص / غ

v- انسان فطرتاً تجسس پسند ہے۔ ص / غ

vi- فلسفہ کا تیسرا موضوع تصورِ علم ہے اسے علمیات بھی کہا جاسکتا ہے۔ ص / غ

vii- نفسیات کے ذریعے ہمیں بچے کی جسمانی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ ص / غ

viii- تعلیم بنیادی طور پر ایک انفرادی عمل ہے۔ ص / غ

ix- اساتذہ کے ہاتھ میں قوم کا مستقبل اور حقیقی معنوں میں باگ ڈور ہوتی ہے۔ ص / غ

x- تعلیم سے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کے لیے مناسب اور اہل افرادی قوت تیار کی جاسکتی ہے۔ ص / غ

2- مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات میں سب سے موزوں ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

i- کسی بھی قوم کا طرزِ فکر، طرزِ عمل اور اخلاقی اقدار و روایات کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔

ا۔ قومی فکر ب۔ قومی عمل ج۔ قومی اخلاقیات د۔ نظریہ حیات

ii- انسان کا مقصدِ تخلیق کیا ہے؟

ا۔ تعلیم حاصل کرنا ب۔ اطاعتِ الٰہی ج۔ تحقیق کرنا د۔ فرض ادا کرنا

iii- انبیاء علیہ السلام کے وارث کون ہیں؟

ا۔ علماء ب۔ زاہد ج۔ سرمایہ دار د۔ حکمران

iv- نظامِ تعلیم کا ایک عنصر ہے۔

ا۔ حکمت تدریس ب۔ حکومت ج۔ حکمران د۔ کوئی بھی نہیں

v- تعلیم کا سب سے اہم مقصد کیا ہے؟

ا۔ رضائے الٰہی کا حصول ب۔ بچے کی صفائی ج۔ بچے کی نفسیات جاننا د۔ کوئی نہیں

vi- ہر انسان فطرتاً پیدا ہوتا ہے۔

ا۔ آزاد ب۔ غلام ج۔ پڑھا لکھا د۔ ان پڑھ

vii- زندہ قومیں اپنی اقدار و روایات کو کیا کرتی ہیں؟

ا۔ زندہ رکھتی ہیں۔ ب۔ اضافہ کرتی ہیں۔ ج۔ بدل دیتی ہیں۔ د۔ چھوڑ دیتی ہیں۔

viii- نظم و ضبط میں پہلا اصول ہے۔

ا۔ وقت کی پابندی۔ ب۔ سزا دینا ج۔ صفائی ستھرائی۔ د۔ بڑوں کا ادب۔

ix- تعلیم بنیادی طور پر کون سا عمل ہے؟

ا۔ معاشرتی عمل ب۔ روحانی عمل ج۔ جسمانی عمل د۔ تعلیمی عمل

x- تعلیم کا اصل فائدہ کیا ہے۔

ا۔ علمی اور تہذیبی ب۔ معاشی ج۔ سماجی د۔ سیاسی

3- دیے گئے جملوں میں خالی جگہ کو مناسب الفاظ سے پر کریں۔

i- کسی قوم کا زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر، اس قوم کا .... کہلاتا ہے۔

ii- اسلامی نظریۂ حیات زندگی کو .... اور .... کے علیحدہ علیحدہ خانوں میں تقسیم نہیں کرتا۔

iii- انسان کا مقصدِ تخلیق .... ہے۔

iv- تلاش حقیقت اور صداقت تک رسائی کی جدوجہد اور کوشش جو انسانی عقل کی بنیاد پر کی جائے .... کہلاتی ہے۔

v- فلسفہ .... کا دوسرا نام ہے جس سے انسانی زندگی کا لائحہ عمل تیار کیا جا سکتا ہے۔

vi- تعلیم افراد معاشرہ کی .... اور شخصیت کی ہمہ پہلو تکمیل کا نام ہے۔

vii- عمر کے مختلف مدارج میں بچوں کی .... ، .... اور صلاحیتوں کا فہم حاصل کر کے معلم اپنے طریقہ کار کو بہتر بنا سکتا ہے۔

viii- تعلیم اور معاشرے کا .... بہت گہرا ہے۔

ix- تعلیم علوم و فنون کی ترقی اور .... کا ذریعہ بنتی ہے۔

x- معاشرے کو منضبط کرنے کا عمل .... کہلاتا ہے۔

4- مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب دیجئے۔

i- تعلیم کی تعریف کریں۔

ii- تعلیم کی چار اہم بنیادوں کے نام بتائیں۔

iii- نظریۂ حیات سے کیا مراد ہے؟

iv- اسلامی تعلیم کا مرکز و محور کیا ہے؟

v- تعلیم کی اہمیت کے بارے میں کوئی ایک قرآنی آیت بمعہ ترجمہ بیان کریں۔

vi- کوئی ایک حدیث بمعہ ترجمہ بیان کریں جس میں تعلیم کی اہمیت پر زور دیا گیا ہو۔

vii- معاشرے اور تعلیم کے تعلق کو پانچ نکات میں واضح کریں؟

viii- تعلیم کا معاشی فائدہ کیا ہے؟

انشائیہ حصہ

5- تعلیم کا مفہوم واضح کریں، تعلیم کی اہم بنیادیں کون کون سی ہیں؟ کسی ایک کی وضاحت کریں۔

6- اسلامی نظریۂ حیات سے کیا مراد ہے؟ تعلیم کا اسلامی تصور وضاحت سے تحریر کریں۔

7- اسلام نے تعلیم کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے قرآن و احادیث کی روشنی میں بحث کریں۔

8- تعلیم کی فلسفیانہ بنیادوں کے بارے میں مفصل تحریر کریں۔

9- نفسیات، تعلیم کے لیے کونسی بنیادیں فراہم کرتی ہے۔ وضاحت کیجئے۔

10- تعلیم کی معاشرتی بنیادوں پر بحث کیجئے۔

11- ذرائع علم کون سے ہیں؟ تفصیلاً لکھیں۔

12- تعلیم کے فوائد کتنی قسم کے ہیں؟ وضاحت کریں۔